© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست

(۲)

سید جلال الدین عمری

قانون کی برتری

اسلام نے عدل و انصاف پر مبنی قانون ہی نہیں دیا بلکہ اس کی برتری بھی قائم کی۔ اس کے نزدیک قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس میں چھوٹے اور بڑے، امیر اور غریب کا فرق نہیں ہے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دے ورنہ یہ نفاق اور ایمان کی کم زوری کی دلیل ہوگی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	یہ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا	کا طریقہ نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس
أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	کا رسول کسی فیصلہ کر دے تو پھر انھیں اپنے
مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ	معاملہ میں اختیار باقی رہے۔ جو اللہ اور اس
اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ	کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گم راہی
ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب: ۳۶)	میں پڑ گیا۔

منافقین کے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے قبول کرنے میں انھیں تامل اور تردد ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ان کا خسارہ ہے، لیکن صحیح اور سچے اہل ایمان کا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔ وہ سراپا سمع و طاعت بن جاتے ہیں اور اسے دل سے قبول کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ (نور : ٥٢-٥١)

اہل ایمان کی بات یہ ہوتی ہے جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو بس وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی یہی فلاح پانے والے ہیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

قانون کی برتری کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس قبیلہ کے لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے درخواست کی کہ وہ آپؐ سے سفارش کریں کہ اسے قطع ید کی سزا نہ دی جائے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ پر جو آپ کو اولاد کی طرح عزیز تھے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا :-

أتشفع في حد من حدود الله

کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے سلسلہ میں سفارش کر رہے ہو۔

اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا۔ اس میں ارشاد فرمایا :-

إنما أهلك الذين قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد

تم سے پہلے کے لوگوں کو جس چیز نے تباہ کیا وہ یہی تھی کہ جب ان میں سے کوئی شریف اور معزز فرد چوری یا اور کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد آپؐ نے قانون کی برتری کے سلسلہ میں وہ الفاظ ادا فرمائے جو پیغمبر ہی کی زبان سے ادا ہو سکتے تھے۔ فرمایا :-

وأيم الله، لو أن فاطمة

خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنت محمد سرقت لقطعت یدھا[1]	فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ قطع کر دیتا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

من حالت شفاعته دون	جس کسی کی سفارش اللہ تعالیٰ کے
حد من حدود الله فقد	حدود میں سے کسی حد کے نفاذ میں حائل
ضاد الله[2]	ہو جائے اس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی۔

ریاست حقوق کی نگراں ہے

سماج میں کسی کا کسی حیثیت سے با اختیار ہونا اسلام کے نزدیک اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتا ہے۔ جس شخص کو جس حد تک بھی اقتدار حاصل ہے وہ اپنے ماتحت افراد کے حقوق کا محافظ و نگراں ہے۔ اس پہلو سے سربراہِ مملکت کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلکم راع، وکلکم	سن لو! تم میں سے ہر ایک راعی اور
مسئول عن رعیته فالامام	نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے
الذی علی الناس راع وھو	اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔
مسئول عن رعیته و	وہ شخص جو لوگوں کا امام ہے وہ راعی اور
الرجل راع علی أھل	نگراں ہے۔ اس سے اس کی رعیت کے
بیته وھو مسئول عن	بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر والوں
رعیته، والمرأة راعیة	کا نگراں ہے۔ اس سے اپنی رعیت کے
علی بیت زوجھا وولدہ	بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے
وھی مسئولة عنھم وعبد	شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں
الرجل راع علی مال	ہے اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔
سیدہ وھو مسئول عنه	آدمی کا غلام (خادم) اپنے سردار کے مال

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الحدود، باب الشفاعۃ فی الحدود۔ بحوالہ بخاری ومسلم

[2] مشکوٰۃ، کتاب الحدود، باب الشفاعۃ فی الحدود۔ بحوالہ احمد وابوداؤد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ألا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته [1]

کا نگراں ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ ہاں! سن رکھو تم سب نگراں ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

جرم عدالت سے ثابت ہوگا

قانون کے سلسلہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا کہ ہر شخص کو بے گناہ سمجھا جائے اور اسے اسی وقت مجرم گردانا جائے جب کہ عدالت سے اس کا جرم ثابت ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے شہادت اور گواہی کا ایک پورا تفصیلی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ بے ثبوت کسی کو مجرم قرار دینا یا کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنا، اس کے نزدیک قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اسی ذیل میں اس نے افواہوں کو پھیلانے اور ظن و تخمین سے کام لینے سے بھی منع کیا ہے۔

اخلاق اور قانون کا رشتہ

انسان کے اندر اخلاقی حس موجود ہے۔ اعلیٰ اخلاق سے محبت اور پست اخلاق سے نفرت اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے چاہے ہزار اخلاقی خرابیاں اس کے اندر موجود ہوں وہ مکارم اخلاق کو پسند اور رذائل اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی یہ اخلاقی حس بیدار اور طاقتور ہو جائے تو وہ تہذیب و شرافت کا نمونہ بن جائے اور کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو۔ اسلام انسان کے اس جذبہ کو زندگی و توانائی عطا کرتا ہے۔ اس نے انسان کے حقوق کی سادہ سی فہرست نہیں فراہم کر دی ہے بلکہ اخلاق سے ان کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ بہت سے قانونی حقوق کو وہ انسان کی اخلاقی خوبیوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، ان کی پابندی کی ترغیب دیتا ہے، ان کا اجر و ثواب بیان کرتا اور ان کی خلاف ورزی پر سخت وعید سناتا ہے۔ اس نے ان حقوق کے سلسلہ

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ والقضاء بحوالہ بخاری و مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں فرد کے ضمیر کو بیدار کیا اور سماج کے اندر اس کے حق میں فضا بنائی ہے۔ قتل نفس، قتلِ اولاد، سرقہ، بدکاری، دشنام طرازی، افترا و تہمت، حق تلفی اور ظلم و زیادتی جیسی خرابیوں کو وہ فسق و فجور اور کبائر میں شمار کرتا ہے اور اس پر سخت وعید سناتا ہے۔ ان کے بالمقابل جن پہلوؤں سے بھی آدمیت کا احترام ہو ان کی وہ تحسین کرتا اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتا ہے۔ اس طرح حقوق انسانی کی اس کے نزدیک مجرد قانونی حیثیت ہی نہیں ہے بلکہ انسان کے اعلیٰ اخلاقی کردار کی بھی ہے۔

خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس

اسلام نے ایک طرف تو انسانی حقوق کو قانونی اور اخلاقی تحفظ فراہم کیا اور دوسری طرف اس کے احترام کا جذبہ بیدار کیا۔ اس کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون ہے اور اس کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ اس کے قائم کردہ حدود سے ان کا تعلق ہے۔ ان کی پابندی ہر حال میں لازمی ہے۔ اس سے انسان کل قیامت کے روز اللہ کے انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرے گا اور ان کی خلاف ورزی پر خدا کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہ وہاں کے ہولناک عذاب سے دوچار ہوگا۔ اللہ کے نیک بندوں کی ایک خوبی اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (التوبہ: ۱۱۲) ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قائم کردہ حدود کی نگہداشت کرتے ہیں کہ ان سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اسے بعض مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

وراثت میں قرابت داروں کے حقوق بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ	یہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود ہیں
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ	جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	کرے تو اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝	اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول
وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ	کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نَارًا خٰلِدًا فِيْهَا وَلَهٗ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝
(نساء: ۱۴-۱۳)

تجاوز کرے تو اسے وہ نارِ جہنم میں داخل
کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس
کے لیے رسواکن عذاب ہوگا۔

قرآن مجید نے ان حقوق کی پابندی کو قیامت کے عقیدہ سے جوڑ دیا ہے۔ یہ عقیدہ ان حقوق کی پامالی سے انسان کو باز رکھتا اور اسے ان کے احترام پر مجبور کرتا ہے قتلِ ناحق قانونی جرم ہی نہیں کبیرہ گناہ بھی ہے ایک جگہ کہا کہ اہل ایمان شرک، قتلِ نفس اور عصمت دری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ
اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ
مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ
اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝ (فرقان: ۷۰-۶۸)

جو ان کا ارتکاب کرے وہ گناہ (کی
سزا) پائے گا قیامت کے روز اسے
دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اس میں
ذلیل وخوار ہو کر ہمیشہ پڑا رہے گا۔ ہاں!
جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل صالح
کیا تو ایسے لوگوں کی غلطیوں کو اللہ تعالیٰ
نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا
بخشنے والا اور مہربان ہے۔

دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور تک کر دیا جاتا تھا۔ اس گھناؤنے جرم پر قرآن نے ان الفاظ میں تنقید کی۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝
بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (تکویر: ۹-۸)

جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا
جائے گا کس گناہ میں وہ ماری گئی۔

یتیم کے مال پر ناجائز قبضہ کی ممانعت کے بعد ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ
نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (نساء: ۱۰)

جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے
ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے
ہیں اور جلد ہی جہنم میں داخل ہوں گے۔

ایک جگہ امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے۔ اس میں مالی امانتیں بھی شامل ہیں اور عہدہ ومنصب کی امانتیں بھی۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (نساء: ۵۸)

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اصحاب امانت تک پہونچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

قیامت کے حساب کتاب اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ابھر آئے تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی شاید نہ ہو اس احساس کا فقدان ہی ادائے حقوق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

کمزور افراد اور طبقات کے حقوق کی حفاظت

دنیا میں ہمیشہ کمزور افراد اور طبقات کے حقوق سلب ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے ظلم و زیادتی کے نرغے میں زندگی گزاری ہے اور بنیادی حقوق تک سے انھیں محروم رکھا گیا ہے۔ سماج کے کمزور افراد اور طبقات پر جو مظالم ہو رہے تھے اسلام نے شروع ہی سے ان کے خلاف پرزور آواز اٹھائی، ان کے حقوق کا علم بلند کیا اور ان کے محافظ کی حیثیت سے سامنے آیا۔ زور آوروں کے ظلم کی چکی میں نادار، یتیم، مسکین اور معذور پس رہے تھے، قرآن نے وقت کے جابروں اور ظالموں کو سخت تنقید کا ہدف بنایا اور ان کے ظلم پر آخرت کی وعید سنائی۔ اس کے ساتھ ان کمزور اور محروم افراد کے قانونی حقوق واضح کیے اور افلاس و غربت کی وجہ سے سماج میں جن کا درجہ کم تر سمجھا جاتا تھا انھیں مساوی اور برابر کا درجہ عطا کیا۔

قرآن مجید جس ماحول میں نازل ہوا اس میں نادار اور مفلس افراد کے ساتھ بعض طبقات بھی جور و ستم کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ ان میں غلاموں اور خواتین کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے غلامی کو بالکل ختم کر دیا یا اسے سیاسی حالات پر چھوڑ دیا، اس بحث سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے انھیں آزاد کرنے کی ترغیب دی بعض حالات میں ضروری قرار دیا کہ وہ بند غلامی سے آزاد کیے جائیں۔ اس کے باوجود اگر غلام ہو تو اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اس پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے سے منع کیا، اس کے حقوق متعین کیے اور اس کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی۔

خواتین کے ساتھ عرب کی سوسائٹی میں بدترین سلوک کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا، بعض اوقات انھیں زندہ درگور کر دیا جاتا، ان کی موت کو ان کی حیات سے بہتر تصور کیا جاتا، ان کے مالی حقوق نہ تھے، وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ وہ زندہ بھی ہوتیں تو بوجھ سمجھی جاتیں، بوجھ ہی سمجھ کر ان کی پرورش ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال کے خلاف اسلام نے آواز اٹھائی، سماج میں انھیں برابر کا مقام دیا اور ان کے خلاف ہر طرح کی دست درازی کو جرم قرار دیا۔ جائداد میں ان کا حق مقرر کیا، ازدواجی زندگی میں عورت و مرد کے حقوق و فرائض متعین کیے، معاشرہ میں انھیں اپنا رول ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ عورت کو مرد کا ضمیمہ قرار نہیں دیا بلکہ اس کی انفرادیت تسلیم کی اور کہا کہ دونوں خدا کے بندے ہیں اور اس کے سامنے جواب دہ ہیں، ان میں سے جو حسنِ عمل کا توشہ لے کر اس کے حضور پہونچے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس سے خالی ہوگا وہ ناکام ونامراد ہوگا۔

اسلام کی ان اصولی اور بنیادی تعلیمات کی روشنی میں حقوق انسانی کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اسلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان حقوق کی وضاحت کے ساتھ تعیین بھی کر دی ہے۔ بعض حقوق کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

فکر و عمل کی آزادی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و خرد عطا کی ہے۔ اسلام نے انسان کا ایک امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اس کی نشوونما اور ترقی چاہتا ہے اور اسے دبانے اور کچلنے کی ہر کوشش کے خلاف ہے۔ اس نے انسان کو اوہام و خرافات سے نکالا اور غور و فکر اور تدبّر و تفکر پر ابھارا ہے اور اس کی مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی ہے۔ اس کے نزدیک کسی معاملے میں غیر عقلی رویہ اختیار کرنا اور بے دلیل کسی بات پر اصرار کرنا انسانی عظمت کے منافی ہے۔ اس نے تقلیدِ اعمیٰ اور بے سوچے سمجھے آباؤ اجداد کے طریقوں کی پابندی اور روایت پرستی پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ ہر بات کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلائل سے سمجھنے کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ اسے اپنے مخالفین سے شکایت ہے کہ وہ فہم و دانش سے کام نہیں لیتے اور اس کے دلائل پر غور نہیں کرتے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا
مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ
قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَ
لَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ
بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ
هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْغَافِلُونَ ○

(اعراف: ۱۷۹)

ہم نے جن و انس میں سے بہت
سوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے ان
کے دل ہیں لیکن وہ ان سے سوچتے
سمجھتے نہیں ہیں، ان کے آنکھیں ہیں لیکن
ان سے وہ دیکھتے نہیں ہیں، ان کے
کان ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں
ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں
بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ یہی
لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسلام نے غور و فکر پر زور دینے کے ساتھ انسانی عقل کی محدودیت بھی واضح کی ہے اور غور و فکر کے لیے صحیح بنیادیں فراہم کی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ عقل کا اس طرح استعمال ہو کہ آدمی راہِ ہدایت پا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا ہے بلکہ حرکت و عمل کی آزادی دی ہے، وہ اپنی آزاد مرضی سے کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے لیکن اس آزادی کا بے قید استعمال تباہ کن ہے اس لیے اس پر کسی نہ کسی نوع کی پابندی ضروری ہے۔ اسلام نے انسان کو آزادئ عمل کا حق دیا ہے لیکن وہ اسے کسی ایسے اقدام کی اجازت نہیں دیتا جو معاشرے کے لیے ضرر رساں اور فساد فی الارض کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو اس دنیا میں آتے رہے ہیں، ان کا ایک خاص ہدف یہ بھی رہا ہے کہ اللہ کی زمین سے فساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور نوعِ انسانی کو امن و سکون کی زندگی میسر آئے۔ اسلام ہر اس اقدام سے منع کرتا ہے جو معاشرہ کو بگاڑ کی طرف لے جائے اور بالآخر اسے تباہی سے ہم کنار کر دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار خیال کی آزادی

انسان کا یہ فطری حق ہے کہ اس کی زبان بندی نہ ہو، اسے اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت ہو اور وہ حسب موقع دوسروں کے سامنے انھیں پیش کر سکے۔ اس سے خود اسے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ معاشرے کے لیے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اسلام انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے لیکن دنیا کا کوئی حق مطلق یا بے قید نہیں ہوتا۔ اسلام نے بھی اسے بعض حدود کا پابند بنایا ہے۔ ان میں سے بعض نمایاں حدود یہ ہیں:-

۱۔ اظہار خیال میں آدمی اخلاقی حدود کا پابند ہو، دوسروں کی عزت نفس کا احترام کرے اسے رسوا اور بدنام کرنے اور اس کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔ کذب بیانی، افترا پردازی طنز و تعریض، دشنام طرازی، بدزبانی اور بدگوئی جیسی اخلاقی خرابیوں سے اجتناب کرے۔

۲۔ دین و مذہب کی حقانیت اور صداقت پر سنجیدہ گفتگو ہو سکتی ہے اس پر مباحثے اور تبادلۂ خیال کی بھی اجازت ہوگی۔ قرآن مجید نے اس معاملے میں 'جدال حسن' کی طرح ڈالی ہے۔ ارشاد ہے:-

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵) ان سے بہتر طریقے سے مجادلہ کرو۔

'جدال حسن' یہ ہے کہ دلائل کے ذریعہ بات ہو اور اپنے موقف کی صداقت کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ مذہب پر گفتگو کے عنوان سے تعصّب اور نفرت کی فضا پیدا کرنا اور جنگ و جدال کا بازار گرم کرنا ممنوع ہے۔ اس حسّاس مسئلے میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہدایت کی ہے کہ گفتگو اس ڈھنگ سے ہو کہ کسی کے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچے ورنہ اس کا ردعمل ہوگا اور بات اس حد تک بڑھے گی کہ خدا کی شان ہی میں گستاخی ہونے لگے گی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ — تم لوگ برا بھلا نہ کہو ان معبودوں کو
مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا — جنھیں یہ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ وہ
اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ — دشمنی میں بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۰۸)

کہنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر قوم کو ان کے عمل آراستہ کر دئیے ہیں پھر انھیں ان کے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پس وہ انھیں بتا دے گا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

یہ ہدایت بھی ہے کہ مجلس میں افہام و تفہیم کی جگہ مخاطب کی طرف سے بات کو الجھانے اور اسے غلط رُخ دینے کی کوشش ہونے لگے تو مجلس چھوڑ دی جائے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

(الانعام: ۶۸)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں الجھے چلے جا رہے ہیں تو ان سے رخ پھیر لو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اگر شیطان تمھیں اس سے بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔

مذہب پر اظہار خیال کا اس سے زیادہ معقول اور مہذب طریقے کا تصور بھی مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اظہار خیال کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کے نشر و اشاعت کی اجازت نہ ہوگی جو سوسائٹی اخلاق اور تہذیب و شرافت کی علم بردار ہو وہ کسی حال میں اخلاق باختگی کی تعلیم و تبلیغ کے لیے جواز نہیں فراہم کر سکتی۔ اس طرح کی ہر کوشش کو وہ سختی سے روک دے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (نور: ۱۹)

بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان کے درمیان بدکاری کا چرچا ہو تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴۔ ریاست میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے، بدامنی پھیلانے اور ملکی مفاد کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس طرح کے معاملات میں صحیح رویہ کیا ہونا چاہیے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ
الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا
بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ
وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ
الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا
(النساء: ۸۳)

جب ان کے پاس امن یا خوف
کی کوئی بات پہونچتی ہے تو اسے پھیلا
دیتے ہیں۔ اگر اسے وہ لوٹا دیتے رسول کی
طرف اور اپنے اولوالامر کی طرف تو حقیقت
حال سے باخبر ہوتے وہ جو ان میں
تحقیق کرتے ہیں۔ اگر تم پر اللہ کا فضل
اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان
کے پیچھے چل پڑتے سوائے چند ایک کے۔

منافقین اور یہود اسلامی ریاست کے خلاف ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ ان کا ایک خاص مشغلہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان غلط افواہیں پھیلائیں اور حالت جنگ میں ان کی ناکامی کی پیش گوئی کرتے رہیں اور کسی وقتی اور ہنگامی نقصان کا اس طرح چرچا کریں جیسے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو اور وہ اپنا عزم و حوصلہ کھو بیٹھیں۔ اس کا تعلق ریاست کی سلامتی سے تھا اس لیے ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے کی ہدایت کی گئی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا
اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا
سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ

اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے
دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی
خبریں پھیلانے والے (اپنی حرکتوں
سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان
پر مسلط کردیں گے اور پھر وہ مدینہ میں
آپ کے قریب چند دن سے زیادہ
نہیں ٹھہر سکیں گے۔ لعنت ہے ان پر
وہ جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں
اور بری طرح مارے جائیں یہی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۰-۶۲) کا طریقہ رہا ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تم اس طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اس تنبیہ و تہدید کے بعد منافقین کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اپنی حرکتوں سے باز آ گئے لیکن یہود کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ ان کے خلاف اقدام کیا گیا۔ بالآخر وہ ملک بدر ہو گئے۔

مذہبی آزادی

اسلام اس حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے۔ اب دنیا میں وہی واحد دین حق ہے۔ اس کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں گو وہ صداقت سے خالی نہیں ہیں، ان میں سچائی کا عنصر ہو سکتا ہے اور ہے لیکن وہ حق و باطل کا مجموعہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اپنے اس موقف کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا ہے۔ بلکہ اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کی آزادی عطا کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ فطری خواہش تھی کہ سب لوگ دین اسلام کو قبول کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے۔ وہ چاہتا تو خود ہی سب کو بزور و جبر اپنے دین کا پابند بنا دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ انسان کو آزادی دی ہے کہ وہ اس کے دین کو چاہے قبول کرے یا نہ کرے جب اس نے آزادی دی ہے تو کوئی بھی شخص اسے اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس ۹۹)

اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین کے سارے کے سارے لوگ ایمان لے ہی آتے۔ تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان والے ہو جائیں۔

سورہ انعام میں یہی بات اور پر زور انداز میں کہی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

(انعام: ۳۶-۳۵)

اگر تم پر ان کا اعراض کرنا شاق گزرے تو تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر دیا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لے آؤ تو ایسا کر دیکھو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس تم ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو۔ ہماری باتیں وہی مانیں گے جو سنتے ہیں، باقی جو مردہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو (قیامت میں) اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس کا واضح اعلان ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

(بقرہ: ۲۵۶)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت ضلالت اور گمراہی سے الگ واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس کے ساتھ اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ جب اس نے دین و مذہب کے معاملہ میں جبر نہیں رکھا ہے، تو خود اس کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ جو شخص اسے قبول کرنا چاہے آزادی سے قبول کر سکے، اس کی راہ روکنا اور اس پر بندش لگانا اس کی حریت فکر پر دست درازی ہے۔ ایک شخص دنیا کے کسی بھی نظریۂ حیات کو قبول کرنے کا حق رکھتا ہے تو معقول اور منطقی بات ہے کہ اسے اسلام کے نظریۂ حیات کو اپنانے کا بھی حق دیا جائے۔ لیکن اسلام کے مخالفین اس کے بارے میں یہ رویہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں اختیار کرتے اور وہ آزادیٔ فکر کے حق کو پامال کرتے اور جبر کے تالے انسانوں پر لگاتے ہیں۔ ایک ہی معاملہ میں دو الگ الگ پیمانے اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام نے کہا کہ یہ جبر اور بندش خدا کے نزدیک سخت ناروا اور مذموم ہے۔ اس کی پکڑ سے وہ قیامت کے روز بچ نہیں سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (نساء: ۱۶۹-۱۶۷)

بے شک جن لوگوں نے خود کفر کی روش اختیار کی اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑے۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور (اہل ایمان پر) ظلم کیا اللہ تو ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اور انھیں جہنم کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں دکھائے گا۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔

قرآن مجید نے پیغمبروں اور خدا پرست انسانوں کی تاریخ پیش کی ہے کہ انھیں اللہ کے دین کے مطابق عمل کرنے اور اسے اللہ کے بندوں کے سامنے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انھیں دعوت و تبلیغ کا حق دینے سے انکار کیا گیا اور مخاطبین کو اس کے قبول کرنے سے بہ جبر روکنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعوت حق ہی کے جرم میں آگ میں ڈالا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا باہم مشورہ ہونے لگا تو اللہ کے ایک بندہ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

کیا تم قتل کرو گے ایک ایسے شخص کو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے جب کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو (جس دنیا و آخرت کے) عذاب کی وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
كَذَّابٌ ۝
(غافر: ۲۸)

دھمکی دے رہا ہے اس کا ایک حصہ تم
پر آئے گا۔ بے شک اللہ راہ نہیں دکھاتا اس
شخص کو جو حد سے گزر جانے والا اور انتہائی جھوٹا ہے۔

حضرت موسیٰؑ ہی کی تاریخ کا واقعہ ہے کہ ان کی دعوت اور ان کے معجزات کے مقابلے کے لیے جادوگر بلائے گئے لیکن جلد ہی جادوگروں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت موسیٰؑ حق پر ہیں، ساحرانہ کرتبوں کے ذریعہ ان کے معجزات کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون طیش میں آگیا اور اس کی آتشِ غضب اس قدر بھڑک اٹھی کہ اس نے ان کے ہاتھ پیر کاٹ دینے اور سولی پر چڑھا دینے کا حکم جاری کر دیا۔ ان اللہ کے بندوں نے سب کچھ صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا۔

قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝
وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا
بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ
رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝
(اعراف: ۱۲۶-۱۲۵)

انھوں نے کہا ہمیں تو اپنے رب کی
طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تم محض اس
بات پر انتقام لے رہے ہو کہ ہم اپنے
رب کی آیات پر، جب وہ ہمارے
سامنے آئیں، ایمان لے آئے۔ اے
ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما اور
ہم کو تیرے فرماں بردار کی حیثیت میں
وفات دے۔

قرآن مجید نے اصحاب اخدود کا ذکر کیا ہے کہ انھیں محض اس جرم میں دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا کہ خدائے واحد پر جو زمین و آسمان کا مالک ہے وہ ایمان رکھتے ہیں۔

قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ إِذْ هُمْ
عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ وَهُمْ عَلَىٰ
مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ
شُهُودٌ ۝ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ
إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ

مارے گئے خندق (کھودنے)
والے جس میں بہت سے ایندھن کی
آگ تھی جب کہ وہ اس کے پاس بیٹھے
ہوئے تھے۔ وہ اہل ایمان کے ساتھ
جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے
انھوں نے ان اہل ایمان سے محض اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلْحَمِیْدِ ۝ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝ (بروج : ۸-۹)

وجہ سے انتقام لیا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو غالب اور ستودہ صفات ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے ۔

اصحاب کہف جو چند نوجوان تھے انھیں اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے ایمان کا اظہار کریں، وہ بستی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت سے اس غار میں کئی سو سال تک سلائے رکھا ۔ جب وہ اپنی لمبی نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم میں سے ایک آدمی احتیاط کے ساتھ بازار جائے اور کھانے کی کوئی چیز لے آئے ۔ اس احتیاط کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں :۔

اِنَّہُمْ اِنْ یَّظْہَرُوْا عَلَیْکُمْ یَرْجُمُوْکُمْ اَوْیُعِیْدُوْکُمْ فِیْ مِلَّتِہِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ (کہف : ۲۰)

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہیں سنگسار کر کے چھوڑیں گے یا تمہیں اپنے دین میں لوٹا لے جائیں گے ۔ اگر ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے ۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کن نازک حالات سے گزر رہے تھے ۔ اور ان کے ساتھ کس قدر سخت رویہ اختیار کیا گیا تھا ۔ اسلام اس طرز عمل یا Persi-cution ۔ کا مخالف ہے ۔

تنقید اور اصلاح کا حق

اللہ تعالیٰ کے رسول دنیا میں حق کی تبلیغ اور معاشرہ کی اصلاح کا فرض انجام دیتے ہیں اور ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر انجام دیتے ہیں :

الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا (احزاب : ۳۹)

وہ اشخاص (پیغمبر) جو اللہ کے پیغامات پہونچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے خوف نہیں کھاتے ۔ حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ میں جو خرابیاں پائی جائیں ان پر تنقید اور اصلاح کا اسلام نے ہر ایک کو حق دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

قل الحق ولوکان مراً ۱ — یعنی حق بات کہو چاہے وہ کسی کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے ۔

مزید یہ کہ :۔

لا تخف فی اللہ لومۃ لائم[۱] — اللہ کے (دین کے) معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو ۔

منکرات پر تنقید اور ان کے ازالہ کی سعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضائے ایمان قرار دیا ہے ۔ ارشاد ہے :۔

من رائ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان[۲]

تم میں سے جو شخص منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے ۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے اسے بدلے اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے ۔

حکومت اور ریاست کے اقدامات کی تائید اور حمایت یا اعتراض و تنقید کے معاملہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اس کی حمایت معروفات میں کی جائے گی اگر اس کے ذریعہ شریعت کا نفاذ عمل میں آرہا ہے اور وہ معاصی سے اجتناب کر رہی ہے تو اس کا ساتھ دیا جائے گا ۔ لیکن اگر وہ منکرات کو فروغ دے رہی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہ ہوگا اور اس سے دوری اختیار کی جائے گی حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا طاعۃ فی معصیۃ إنما — معصیت میں اطاعت نہیں ہوگی

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب الآداب ، باب حفظ اللسان بحوالہ بیہقی روایت حضرت ابوذرؓ

[۲] مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب الآداب ، باب الامر بالمعروف بحوالہ بخاری و مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الطاعۃ فی المعروف [1]	اطاعت تو معروف میں ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما أحب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ [2]	مرد مسلم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امیر کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے اس معاملہ میں بھی جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں بھی جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے تو بات سنی جائے گی اور نہ اطاعت ہوگی۔

نواس بن سمعانؓ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق [3]	خالق کی معصیت کے معاملہ میں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔

زندہ رہنے کا حق

ہر انسان کو جو یہاں پیدا ہوتا ہے زندہ رہنے کا حق ہے۔ زندگی اسے خدا کی طرف سے ملی ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ اسے کوئی سلب کرنے کا مجاز نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنی زندگی کو ختم نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے خودکشی حرام ہے۔ اسلام نے اہل ایمان کا ایک نمایاں وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ ناحق کسی کی جان نہیں لیتے۔

وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (فرقان: ۶۸)	کسی نفس کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے وہ قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ حق کا تقاضا ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ/کتاب الامارۃ والقضاء بحوالہ بخاری ومسلم

[2] حوالہ سابق، بحوالہ بخاری مسلم [3] حوالہ سابق بحوالہ شرح السنۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الکبائر: الاشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس والیمین الغموس[1]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کبائر ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل نفس جیسے جرم کبیرہ سے اہلِ ایمان کا دامن پاک ہوتا ہے اور پاک ہونا چاہیے۔

اسلام نے صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انسان کب زندگی کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ کون سے جرائم ہیں جن کے ارتکاب کے بعد وہ اپنے حق حیات کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور معاشرے کے لیے وہ ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ

جو کوئی کسی نفس کو قتل کرے، بغیر اس کے کہ وہ کسی کو قتل کرے یا زمین میں فساد پھیلائے، تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔ جس نے کسی نفس کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ کیا۔

(مائدہ: ۳۲)

یہ حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا اور یہی اسلامی شریعت میں بھی باقی رکھا گیا ہے کہ اگر آدمی کسی کا ناحق خون بہائے یا مملکت میں فساد پھیلائے اور کشت و خون کا بازار گرم کرے تو اپنی جان کی حرمت ختم کر دیتا ہے۔ اس کا وجود صفحۂ زمین پر ناقابلِ برداشت ہے۔ اسے راستے سے ہٹا کر امن و امان بحال کرنا ریاست کا فرض ہے۔ اسے کسی پہلو سے غلط نہیں کہا جا سکتا ہے[2]

---

[1] مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الکبائر و علامات النفاق۔ بحوالہ بخاری

[2] حدیث میں آتا ہے کہ تین جرائم ایسے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا قتل ہوگی۔ ایک ارتداد، دوسرا کسی بے گناہ کو قتل کرنا، تیسرا کسی شادی شدہ شخص کا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ کسی فرد واحد کا بھی ناحق خون بہانا ایک سنگین جرم ہے یہ ساری نوع انسانی کو خوں ریزی کی راہ پر لگانا ہے اس کے برخلاف کسی مظلوم اور بے گناہ کی جان بچانا پورے عالم کے لیے حیات بخش ہے۔ اس لیے کہ اس سے انسانی جان کی قدر و قیمت کا سبق ملتا ہے۔ آدمؑ کی اولاد میں جس نے پہلی بار اپنے بھائی کا ناحق خون بہایا، اس نے دوسروں کو یہ راہ دکھائی، اسی لیے جب بھی زمین پر خون ناحق بہے گا، اسے بھی اس میں شریک سمجھا جائے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں بھی اس کا گناہ لکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقتل نفس ظلما الا کان	کوئی شخص ظلم کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے
علی ابن اٰدم الاول کفل	تو اس پہلے ابن آدم پر بھی اس خون کا
من دمہا لانہ اول من سنّ	ایک حصہ ہوگا جس نے قتل کیا تھا کیونکہ
القتل [1]	اس نے ناجائز قتل کا طریقہ دنیا کو دکھایا تھا۔

قتل ناحق کے سلسلہ میں اسلام نے حسب ذیل ہدایات دی ہیں:۔

ا۔ قاتل سے قصاص لیا جائے یعنی کسی نے ناحق قتل کیا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی دوسرے کو اس جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ ہوگی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ	تمہارے لیے اے عقل والو قصاص
حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ	میں زندگی ہے۔ امید ہے اس طرح
تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۱۷۹)	تم اس کے ارتکاب سے بچو گے۔

قصاص میں مقتول کے ساتھ قاتل کی بھی جان جاتی ہے۔ بظاہر اس میں مزید ایک فرد کا نقصان ہے لیکن اس میں پوری قوم کی حیات ہے۔ قانون قصاص پر صحیح

...کا بدکاری میں ملوث ہونا۔ عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرئ مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمارق لدینہ التارک للجماعۃ (مشکوٰۃ، کتاب القصاص بحوالہ بخاری ومسلم)

[1] مشکوٰۃ، کتاب العلم بحوالہ بخاری ومسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی میں عمل ہو تو اقدام قتل سے پہلے آدمی ہزار بار سوچے گا کہ اس کے بعد اسے بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس سے قتل ناحق کی راہ مسدود ہو گی اس میں صرف دو افراد ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی کی حیات ہے۔

۲۔ اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو قصاص کی جگہ دیت لے سکتے ہیں اور انھیں پوری دیت لینے اور اس میں کمی کرنے کا اختیار ہو گا۔ وہ قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں معافی پسندیدہ عمل ہے۔ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ [1]

۳۔ ان تمام معاملات کا اختیار مقتول کے اہل خاندان کو حاصل ہو گا۔ اسلام نے اسے ریاست کے دائرۂ اختیار سے باہر رکھا ہے۔ ریاست اس میں مقتول کے ورثاء کو ان کا حق دلانے میں مدد دے گی اگر وہ قاتل کے ساتھ کوئی غیر شرعی اور غیر انسانی رویہ اختیار کرنا چاہیں یا اس کے ساتھ خاندان کے دوسرے افراد کو انتقام کا نشانہ بنانے کی کوشش کریں یا اور کسی قسم کی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہوں تو اس کی انھیں اجازت نہ ہو گی۔ قانوناً انھیں اس سے باز رکھا جائے گا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ	جس نفس کے قتل کو اللہ نے حرام
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ	ٹھیرایا ہے اسے قتل نہ کرو اور جو کوئی
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا	ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي	کے ولی کو حق اور اختیار دیا ہے لیکن
الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝	وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے۔
(بنی اسرائیل: ۳۳)	بے شک اس کی مدد ہو گی۔

انسان کی بنیادی ضروریات

انسانی جان کے احترام کے تصور کے ساتھ اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا تصور وابستہ ہے۔ اسلام ہر انسان کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے سعی و جہد کرے۔ اس کے لیے وہ خدا کی پوری زمین اور اس کے وسائل کو

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (بقرہ: ۱۷۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال کر سکتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ٥ (ملک: ۱۵)	وہی خدا ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس کے کناروں پر چلو اس کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔
اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥ (جاثیہ: ۱۲، ۱۳)	اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اس نے تمہارے لیے وہ سب چیزیں اپنی طرف سے مسخر کر دیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں۔ بے شک اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں[1]

ایک جگہ نماز جمعہ کی اہمیت اور اس میں شرکت کو لازمی قرار دینے کے بعد فرمایا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (جمعہ: ۱۰)	جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو امید ہے تم فلاح پاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ نماز ختم ہونے کے بعد تمہیں اجازت ہے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ۔ پوری زمین تمہارے لیے ہے۔ اس کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کا تمہیں حق ہے۔

---

[1] اس سلسلہ کی مزید آیات ملاحظہ ہوں، طٰہٰ: ۵۴، ۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے نزدیک انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی سعی و جہد سے پاک اور صاف ستھری غذا حاصل کرے، یہ تقویٰ اور دین داری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اس سعی و جہد میں حلال و حرام کی پابندی ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(البقرہ: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں میں سے وہ ساری چیزیں جو حلال اور پاکیزہ ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ تم اللہ کے بارے میں جھوٹی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

لباس

انسان کی بنیادی ضرورتوں میں لباس بھی شامل ہے۔ انسان کے لیے لباس کی اہمیت کئی پہلوؤں سے ہے۔ یہ اسے جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جو جانور جہاں پایا جاتا ہے اس کی جسمانی ساخت وہاں کے لیے مناسب اور موزوں ہوتی ہے۔ اگر موسم سخت ہوتا ہے تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ انسان کا حال اس سے مختلف ہے۔ اس کا جسم موسم کی گرمی اور سختی کو برداشت نہیں کر پاتا، وہ لباس کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حیوان کے اندر شرم و حیا کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ اس کے برعکس انسان کی فطرت میں شرم و حیا پائی جاتی ہے۔ عریانی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ جسم کے قابلِ ستر حصّوں کو لازماً چھپانا چاہتا ہے۔ یہ فطری حیا ہی تھی کہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ سے جنت کا لباس چھن گیا تو وہ درخت کے پتّوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف: ۲۲)

اور جوڑنے لگے اپنے اوپر جنت کے پتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ لباس انسان کے لیے وجہ زینت اور آرائش بھی ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝

(اعراف: ۲۶)

اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا ہے۔ جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کے لباس بھی اتارے لیکن تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اس طرح اسلام نے لباس اور بہتر لباس کی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے۔ وہ اسے انسان کی بنیادی ضرورت مانتا ہے۔ البتہ اس کی ہدایت یہ ہے کہ آدمی اس ظاہری لباس کی فکر میں لباسِ تقویٰ کو نہ فراموش کر بیٹھے۔

مکان

مکان بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ مکان مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ

اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھر رہنے بسنے کی جگہ بنائے اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے گھر (خیمے) بنائے کہ تم ان کو ہلکے پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن۔ اس نے چوپایوں کی اون سے روؤں سے اور بالوں سے ایک مدت خاص تک کے لیے سازوسامان اور اسبابِ حیات بنائے۔ اللہ نے تمہارے لیے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سائے رکھے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں روپوش ہونے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○	مقامات رکھے اور اس نے تمہارے لیے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بھی بنائے جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کے فرمانبردار بنو۔
(نحل: ۸۱-۸۰)	

ان آیات میں تین طرح کے مکانات کا ذکر ہے۔

۱۔ وہ ٹھکانے جو انسان پہاڑوں اور جنگلوں میں بناتا ہے، انسان نے تاریخ کے ابتدائی دور میں ممکن ہے اسے عام طور پر استعمال کیا ہو لیکن اب وہ زیادہ تر انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وقتی اور ہنگامی طور پر غیر جنگی مقاصد کے لیے بھی ان کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

۲۔ دوسرے مکانات وہ ہیں جو خیموں اور چھولداریوں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل ہو سکتے ہیں جنھیں خانہ بدوش استعمال کرتے ہیں۔ تفریحات یا فوجی ضرورت کے لیے بھی ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔

۳۔ مکانات کی تیسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں قرآن نے 'سکنا' کا لفظ استعمال کیا ہے جن میں انسان مستقل رہائش اختیار کرتا ہے، جن سے اس کی رہائشی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور جن میں وہ سکون اور راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ تمدنی زندگی کا ایک لازمی جزء بھی ہے۔

ان مختلف قسم کے مکانات اور عام پوشاک اور جنگی لباس کے متعلق ان آیات میں ایک بات تو یہ کہی گئی کہ وہ انسان کی ضروریات پوری کرتے ہیں دوسری دوسری بات یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل و احسان قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس مکان ہے تو اللہ کی ایک نعمت اسے حاصل ہے۔ اس پر اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر کسی کے پاس مکان نہیں ہے تو اس کے لیے اس کا کوشش کرنا غلط نہ ہوگا بلکہ ایک پسندیدہ عمل قرار پائے گا تاکہ وہ اس معاملہ میں دوسروں کا محتاج نہ رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکان ایک ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست اپنے کارکنوں کی یہ ضرورت پوری کرے گی بلکہ اس کی کوشش ہوگی کہ ریاست کے سب ہی شہریوں کو اس کی سہولت حاصل ہو۔ اس میں وہ ممکنہ تعاون کرے گی۔ جن کے پاس مکان ہے اس پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرے گی اور اس کی حفاظت کرے گی۔

خادم اور سواری

اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سواری اور خادم بھی انسان کی ضرورت ہے اور وہ اسے حاصل ہونی چاہیے۔ مستورد بن شداد کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے:

من کان لنا عاملا	جو ہمارا عامل (کارندہ) ہے وہ
فلیکتسب زوجۃ فان	بے شادی شدہ ہے تو (بیت المال سے
لم یکن لہ خادم فلیکتسب	مدد لے کر) شادی کرلے، اگر اس کے پاس
خادمًا فان لم یکن لہ	خادم نہیں ہے تو خادم حاصل کرلے،
مسکن فلیکتسب مسکنا	اگر اس کا مکان نہیں ہے تو مکان بنالے
وفی روایۃ من اتخذ غیر	ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ان
ذالک فھو غال[1]	کے علاوہ کچھ اور بیت المال سے حاصل
	کرے گا وہ خائن ہوگا۔

حدیث میں ریاست کے ملازم کو اپنی حقیقی ضروریات پورا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ اجازت کچھ حدود و قیود کے ساتھ ہوگی اور اس کا تعلق ریاست کی مالی حالت سے بھی ہوگا۔ اگر کسی کی تنخواہ ہی اس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کافی ہے تو وہ ریاست کے خزانے سے مزید فائدہ اٹھانے کا مجاز نہ ہوگا۔

(باقی آئندہ)

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الامارۃ والقضاء۔ باب رزق الولاۃ وہدایاہم بحوالہ ابوداؤد

© rasailojaraid.com